

قانون معاشرت

(۳)

(گزشتہ سے پوسٹہ)

حدود و شرائط

وَأَحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَاءَ ذَلِكَ أَنْ تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُمْ مُحْصِنِينَ غَيْرَ مُسَافِحِينَ ، فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ فَرِيضَةً ، وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِي مَا تَرَضَيْتُمْ بِهِ مِنْ بَعْدِ الْفَرِيضَةِ ، إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا۔ (النساء: ۲۴)

”اور ان کے ماسوا جو عورتیں ہیں، وہ تمہارے لیے حلال ہیں، اس طرح کہ تم اپنے مال کے ذریعے سے انہیں طلب کرو، اس شرط کے ساتھ کہ تم پاک دامن رہنے والے ہو، نہ کہ بدکاری کرنے والے۔ (چنانچہ اس سے پہلے اگر مہر ادا نہیں کیا) تو جو فائدہ اُن سے اٹھایا ہے، اُس کے صلے میں اُن کے مہر انہیں ادا کر دو، ایک فرض کے طور پر۔ مہر ٹھیرانے کے بعد، البتہ باہمی رضامندی سے جو کچھ طے کر لو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ بے شک، اللہ علیم و حکیم ہے۔“

اس آیت میں نکاح کے لیے جو حدود و شرائط بیان ہوئے ہیں، ان کی تفصیل یہ ہے:

پہلی بات یہ بیان ہوئی ہے کہ نکاح مال یعنی مہر کے ساتھ ہونا چاہیے۔ قرآن نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے عائد کردہ ایک فریضہ کی حیثیت سے یہ نکاح کی ایک لازمی شرط ہے۔ چنانچہ ہدایت فرمائی ہے کہ اس سے پہلے اگر کسی عورت کا مہر ادا نہیں کیا گیا تو اسے فوراً ادا کر دیا جائے۔ مہر ٹھیرانے کے بعد، البتہ اسے اپنے اوپر ایک فرض اور عورت کا حق مان کر آپس کی رضامندی سے کوئی تقدیم و تاخیر یا کمی بیشی اگر کر لی جائے تو اس کی اجازت ہے، لیکن اتنی بات ہر شخص پر واضح رہنی چاہیے کہ جس ہستی نے یہ قانون دیا ہے، وہ علیم حکیم ہے۔ اس کی ہر بات بے خطا علم اور گہری حکمت پر مبنی ہے۔ لہذا نہ اس قانون کی خلاف ورزی کسی

کے لیے جائز ہے اور نہ اس میں کسی ترمیم و تغیر کی جسارت کسی شخص کو کرنی چاہیے۔

یہ مہر کیا ہے؟ مرد و عورت نکاح کے ذریعے سے مستقل رفاقت کا جو عہد باندھتے ہیں، اس میں نان و نفقہ کی ذمہ داریاں ہمیشہ سے مرد اٹھاتا رہا ہے، یہ اس کی علامت (Token) ہے۔ قرآن میں اس کے لیے 'صدقہ' اور 'اجر' کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ یعنی وہ رقم جو عورت کی رفاقت کے صلے میں اس کی ضرورتوں کے لیے دی جائے۔ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ نکاح اور خطبے کی طرح یہ بھی ایک قدیم سنت ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے عرب میں اسی طرح رائج تھی۔ بائبل میں بھی اس کا ذکر اسی حیثیت سے ہوا ہے۔

اس کی یہ اہمیت کیوں ہے؟ استاذ امام امین احسن اصلاحی نے لکھا ہے:

”جس معاملے کے ساتھ ادائے مال کی شرط لگی ہو اور اس ادائے مال کی حیثیت محض تبرع اور احسان کی نہ ہو، بلکہ ایک فریضہ کی ہو، یہاں تک کہ اگر وہ مذکورہ نہ بھی ہو، جب بھی لازماً مضمحل سمجھا جائے اور عورت کی حیثیت عرفی کے اعتبار سے اس کی ادائیگی واجب قرار پائے، شرعاً و عرفاً ایک اہم اور سنجیدہ معاملہ بن جاتا ہے۔ کوئی بھی ذی ہوش آدمی ایسے معاہدے میں ایک پارٹی بننے کی جرأت نہ کرے گا، جب تک وہ سوچا سوچ کر اس میں شرکت کی ذمہ داریوں کو ادا کرنے کے لیے اپنے آپ کو تیار نہ کرے۔ ان مصالح سے مہر کی شرط ضروری ہوئی۔ جن لوگوں کی نظر ان مصالح کی طرف نہیں گئی، وہ سمجھتے ہیں کہ اس شرط نے عورت کو ایک خریدنی و فروختنی شے کے درجے تک گرا دیا ہے۔ یہ خیال محض نا سمجھی کا نتیجہ ہے۔ یہ شرط تو ایک آگاہی ہے کہ جو بھی عورت کے حرم میں قدم رکھنا چاہے، وہ اچھی طرح سوچ سمجھ کر قدم رکھے۔ نکاح و طلاق کے معاملے میں کسی مذاق کی گنجائش نہیں ہے۔ یہاں مذاق بھی حقیقت کی حیثیت رکھتا ہے:

ہشدار کہ رہ بردم تیغ است قدم را“

(تذبرقرآن ۲/۲۷۸)

مہر کی کوئی مقدار مقرر نہیں کی گئی۔ اسے معاشرے کے دستور اور لوگوں کے فیصلے پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ چنانچہ عورت کی سماجی حیثیت اور مرد کے معاشی حالات کی رعایت سے وہ جتنا مہر چاہیں، مقرر کر سکتے ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے بھی یہی بات معلوم ہوتی ہے۔

سہل بن سعد کا بیان ہے کہ ایک عورت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی: یا رسول اللہ، اس لیے حاضر ہوئی ہوں کہ اپنے آپ کو حضور کے لیے پیش کر دوں۔ سہل کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دیکھا، اوپر سے نیچے تک نظر ڈالی، پھر سر جھکا لیا۔ عورت نے محسوس کیا کہ آپ نے اس کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کیا تو وہ بیٹھ گئی۔ اتنے میں ایک شخص آپ کے صحابہ میں سے اٹھا اور اس نے کہا: یا رسول اللہ، آپ کو ضرورت نہیں تو اسے میرے ساتھ بیاہ

دیکھیے۔ آپ نے پوچھا: تمہارے پاس کچھ ہے؟ اس نے کہا: بخدا، نہیں، یا رسول اللہ۔ آپ نے فرمایا: اپنے گھر جاؤ اور دیکھو، شاید کچھ مل جائے۔ وہ گیا، پھر لوٹ کے آیا اور بتایا کہ خدا کی قسم، کوئی چیز نہیں۔ فرمایا: دیکھو تو سہی، اگرچہ لوہے کی انگلی ہو۔ وہ دوبارہ گیا اور واپس آ کر عرض کی: اللہ گواہ ہے کہ وہ بھی نہیں ہے۔ ہاں، یہ تہ بند ضرور ہے۔ سہل کہتے ہیں کہ اس کے پاس اوڑھنے کی چادر بھی نہیں تھی۔ اس نے عرض کی: یہ تہ بند آدھا سے دے دیجیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ تیرا تہ بند لے کر کیا کرے گی۔ تم پہنو گے تو اس پر کچھ نہیں ہوگا اور یہ پہنے گی تو تمہارے پاس کچھ نہ رہے گا۔ اس پر وہ شخص بیٹھ گیا۔ پھر کافی دیر ہوگئی تو جانے کے لیے اٹھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پیٹھ پھیر کر جاتے ہوئے دیکھا تو بلانے کا حکم دیا۔ چنانچہ اسے بلایا گیا تو آپ نے پوچھا: تمہیں قرآن کتنا آتا ہے؟ اس نے عرض کی: مجھے فلاں اور فلاں سورتیں آتی ہیں اور گن کر بتائیں۔ آپ نے فرمایا: کیا زبانی یاد ہیں؟ عرض کی: ہاں۔ ارشاد فرمایا: میں نے اس قرآن کے صلے میں اسے تمہارے ساتھ بیاہ دیا۔^۶

دوسری بات آیہ زیر بحث میں یہ بیان ہوئی ہے کہ نکاح کے لیے پاک دامن ہونا ضروری ہے۔ کوئی زانیہ یہ حق نہیں رکھتا کہ کسی عقیقہ سے بیاہ کرے اور نہ کوئی زانیہ یہ حق رکھتی ہے کہ کسی مرد عقیقہ کے نکاح میں آئے، الا یہ کہ معاملہ عدالت میں نہ پہنچا ہو اور وہ توبہ و استغفار کے ذریعے سے اپنے آپ کو اس گناہ سے پاک کر لیں۔ ’محصنین‘، غیر مسافحین کے الفاظ یہاں اسی شرط کے لیے آئے ہیں۔ دوسری جگہ قرآن نے یہ بات اس طرح واضح فرمائی ہے:

الزَّانِي لَا يَنْكِحُ إِلَّا زَانِيَةً أَوْ مُشْرِكَةً وَالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَا إِلَّا زَانٍ أَوْ مُشْرِكٌ، وَحُرِّمَ ذَلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ۔
 ”یہ زانی نکاح نہ کرنے پائے، مگر زانیہ اور مشرکہ کے ساتھ اور اس زانیہ کے ساتھ نکاح نہ کرے، مگر کوئی زانی یا مشرکہ۔ اور اہل ایمان پر یہ بہر حال حرام ٹھہرایا گیا ہے۔“

(النور: ۲۴)

اس آیت میں بھی صاف اشارہ ہے اور دوسرے الہامی صحائف سے بھی یہی بات معلوم ہوتی ہے کہ زنا اور شرک بالکل مماثل ہیں۔ جس طرح یہ بات گوارا نہیں کی جاسکتی کہ میاں اور بیوی میں سے کوئی کسی دوسرے کے بستر پر سوئے، اسی طرح یہ بات بھی کسی مسلمان کے لیے قابل برداشت نہیں ہو سکتی کہ اس کے گھر میں خدا کے ساتھ کسی اور کی پرستش کی جائے۔ بلکہ یہ اس کے نزدیک کسی اور کے بستر پر سونے سے زیادہ قابل نفرت چیز ہے۔ زنا اور شرک کی یہ مماثلت سمجھی جاسکتی تھی، لیکن قرآن

۶ بخاری، رقم ۲۶۹۷۔

بعض روایتوں میں بھی یہ بات اسی صراحت کے ساتھ بیان ہوئی ہے۔ ملاحظہ ہو: ابوداؤد، رقم ۲۰۵۱، ۲۰۵۲۔ مزید وضاحت کے لیے دیکھیے اسی کتاب میں: ”حدود و تعزیرات“۔

نے دوسری جگہ اسے صراحت کے ساتھ بیان کر دیا ہے:

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكَةَ حَتَّىٰ يُؤْمِنَ ،
وَلَا مَآئِمَةً مُّؤْمِنَةً خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَلَا
أَعَجَبْتُكُمْ ، وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكِينَ
حَتَّىٰ يُؤْمِنُوا ، وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ
مُّشْرِكٍ وَلَا أَعَجَبُكُمْ ۔ (البقرہ ۲: ۲۲۱)

”اور مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو، جب تک وہ
ایمان نہ لے آئیں۔ اور (یاد رکھو کہ) ایک مسلمان
لوٹڈی مشرک شریف زادی سے بہتر ہے، اگرچہ وہ
تمہیں کتنی ہی بھلی لگے۔ اور اپنی عورتیں مشرکین کے
نکاح میں نہ دو، جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں۔ اور
(یاد رکھو کہ) ایک مسلمان غلام مشرک شریف زادے
سے بہتر ہے، اگرچہ وہ تمہیں کتنا ہی بھلا لگے۔“

یہود و نصاریٰ بھی علم و عمل، دنوں میں شرک جیسی نجاست سے پوری طرح آلودہ تھے، لیکن اس کے باوجود وہ چونکہ اصلاً
توحید ہی کے ماننے والے ہیں، اس لیے اتنی رعایت اللہ تعالیٰ نے کی ہے کہ ان کی پاک دامن عورتوں سے مسلمانوں کو نکاح
کی اجازت دے دی ہے۔ ارشاد فرمایا ہے:

وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ
مِنْ قَبْلِكُمْ إِذَا آتَيْتُمُوهُنَّ أَجُورَهُنَّ
مُحْصِنِينَ غَيْرِ مُسَافِحِينَ وَلَا مُتَحَدِّثِي
أَخْدَانٍ ۔ (المائدہ ۵: ۵)

”اور تم سے پہلے کے اہل کتاب کی پاک دامن
عورتیں بھی (حلال ہیں)، جب تم اُن کے مہر ادا کرو،
اس شرط کے ساتھ کہ تم بھی پاک دامن رہنے والے ہو،
نہ بدکاری کرنے والے اور نہ چوری چھپے آشنا بنانے
والے۔“

آیت کے سیاق سے واضح ہے کہ یہ اجازت اس وقت دی گئی، جب توحید کے معاملے میں کوئی ابہام باقی نہیں رہا اور
مشرک نہ تہذیب پر اس کا غلبہ ہر لحاظ سے قائم ہو گیا۔ اس کے لیے آیت کے شروع میں لفظ ’الیوم‘ کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔ اس
سے معلوم ہوتا ہے کہ اس اجازت میں وقت کے حالات کو بھی یقیناً دخل تھا۔ لہذا اس بات کی پوری توقع تھی کہ مسلمان ان
عورتوں سے نکاح کریں گے تو یہ ان سے متاثر ہوں گی اور اس طرح شرک و توحید کے مابین کوئی تصادم نہ صرف یہ کہ پیدا نہیں
ہوگا، بلکہ ہو سکتا ہے کہ ان میں بہت سی ایمان و اسلام سے مشرف ہو جائیں۔
چنانچہ اس اجازت سے فائدہ اٹھاتے وقت یہ چیز اس زمانے میں بھی لازماً ملحوظ رہنی چاہیے۔

۸ سورہ ممتحنہ (۶۰) کی آیت ۱۰ میں جن کافروں سے نکاح ممنوع قرار دیا گیا ہے، اس کا باعث بھی ان کا شرک ہی ہے۔ آیت سے
واضح ہے کہ اس میں کافروں سے مراد مشرکین عرب ہیں۔

اسی طرح یہ بات بھی واضح رہنی چاہیے کہ نکاح خاندان کے جس ادارے کو وجود میں لانے کے لیے کیا جاتا ہے، اس کی حرمت کا تقاضا ہے کہ یہ والدین اور سرپرستوں کو ساتھ لے کر اور ان کی رضا مندی سے کیا جائے۔ اس میں شبہ نہیں کہ نکاح میں فیصلہ اصلاً مرد و عورت کرتے ہیں اور ان کے علانیہ ایجاب و قبول سے یہ منعقد ہو جاتا ہے، لیکن اولیا کا اذن اگر اس میں شامل نہیں ہے تو اس کی کوئی معقول وجہ لازمًا سامنے آنی چاہیے۔ یہ نہ ہو تو معاشرے کا نظم اجتماعی یہ حق رکھتا ہے کہ اس نکاح کو باطل قرار دے^۹۔ 'لا نکاح الا بولی' (سرپرست کے بغیر کوئی نکاح نہیں) اور اس طرح کی دوسری روایتوں میں یہی بات بیان ہوئی ہے۔ عورت کی بغاوت چونکہ اس معاملے میں خاندان کے لیے غیر معمولی اختلال کا باعث بن جاتی ہے، اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول و فعل سے اولیا پر واضح کر دیا ہے کہ اس کے بارے میں وہ کوئی فیصلہ اس کی اجازت کے بغیر نہ کریں، ورنہ عورت چاہے گی تو ان کا یہ فیصلہ رد کر دیا جائے گا۔

ابو ہریرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بیوہ کا نکاح اس سے مشورے کے بغیر نہ کیا جائے اور کنواری کی اجازت ضروری ہے۔ لوگوں نے پوچھا: اس کی اجازت کیسے ہو؟ آپ نے فرمایا: وہ خاموش رہے تو یہی اجازت ہے^{۱۰}۔

ابن عباس بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: بیوہ اپنا فیصلہ خود کر سکتی ہے اور کنواری سے اجازت لینی چاہیے^{۱۱}۔

بنت خدام کہتی ہیں کہ وہ بیوہ ہوئیں تو ان کے والد نے ان کا نکاح کر دیا۔ انھیں یہ فیصلہ پسند نہیں آیا۔ چنانچہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں تو آپ نے انھیں نکاح ختم کرنے کی اجازت دے دی^{۱۲}۔

[باقی]

۹ اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اس دوران میں جو کچھ ہو چکا ہے، اسے ناجائز قرار دیا جائے گا، بلکہ یہی ہیں کہ اسے آئندہ کے لیے ختم کر دیا جائے گا۔

۱۰ ابوداؤد، رقم ۲۰۸۵۔

۱۱ بخاری، رقم ۴۷۴۱۔

۱۲ مسلم، رقم ۲۵۴۵۔

۱۳ بخاری، رقم ۴۷۴۳۔